روبرو

امت کا رشتہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی سے جوڑنا میری زندگی کا مقصد

پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری سربراہ تحریک منہاج القرآن سے خصوصی گفتگو

پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری (سربراہ منہاج القرآن انٹرنیشنل) عالم اسلام کی جتنی معروف ومقبول شخصیت ہے، اتنی ہی متنازع فیہ بھی۔ انھوں نے سات ہزار سے زائد دینی وعلمی موضوعات پر دنیا کے مختلف خطوں میں خطاب کیا ہے اور تقریباً پانچ سو سے زائد کتابیں تصنیف وتالیف کی ہیں۔ ترجمۂ قرآن، صحاح ستہ کی ابواب بندی اور شرح، نیز متعدد ٹیلی ویژن پر ان کے دروس قرآن وحدیث، عالمی سطح پر میلاد کانفرنسیس کا انعقاد، امن و سلامتی کے قیام کی کوششیں اور صوفی اسلام کی اشاعت ان پر مستزاد۔ ان تمام خدمات کی وجہ سے دنیا کے مسلمانوں کے درمیان انھیں قبولیت عام حاصل ہے۔ مگر اس کے ساتھ یہ بھی حقیقت ہے کہ ابتدا سے ہی ان کا اور اختلافات وتنازعات کا چولی دامن کا ساتھ رہا ہے۔ کبھی ان کے بیان کردہ دیت کے مسئلے پر، کبھی بین المذاہب اختلاط پر، کبھی کرسمس ڈے کے انعقاد پر تو کبھی ان کی کسی کتاب کے مشمولات پر علما سوال کھڑے کرتے رہے ہیں—— ۲۰۱۲ء میں ڈاکٹر طاہر القادری صاحب اپنے دعوتی وتبلیغی مشن پر ہندوستان کیا تشریف لائے، مخالفت اور تنازعات کا ایک طوفان اٹھ کھڑا ہوا۔ مدارس ومساجد کے عام علما حیران وپریشان تھے، جب کہ عوام اہل سنت سراسیمہ اور بے چین، کیوں کہ بعض مخصوص علما قادری صاحب پر جو الزامات عائد کر کے ان کے کفر وارتداد کا فتویٰ صادر کر رہے تھے، ان کی عمومی خدمات، بیانات، خطابات اور دروس قرآن وحدیث ان کی نفی کر رہے تھے۔ عوامی اضطراب اور کشمکش کے اس سیلاب بلاخیز میں ہم نے مذہب اور صحافت کے منصبی فریضے کے پیش نظر چاہا کہ قادری صاحب سے ملاقات کر کے ان کے عمومی خیالات جانے جائیں اور ان الزامات کی وضاحت طلب کی جائے جن الزامات کی وجہ سے ہندوستان کے علما اور عام مسلمانان اہل سنت آپس میں دست وگریباں ہیں۔ چنانچہ ہم نے قادری صاحب سے ملاقات کی مخلصانہ کوشش شروع کر دی، آخر ہندوستان سے ان کی رخصتی کے دن ۱۶/ مارچ ۲۰۱۲ء کو دہلی میں کے۔ رحمٰن خاں (مرکزی وزیر برائے اقلیتی امور) کے دولت خانے پر انٹرویو کے لیے دیر رات وقت طے ہوا۔ کیوں کہ کے۔ رحمٰن خاں نے قادری صاحب کے اعزاز میں اپنے گھر پر الوداعی عشائیہ رکھا تھا، جس میں ہندوستان کے درجنوں مسلم ممبران پارلیمنٹ، وزرا، دانشوران اور صحافیوں کو بھی مدعو کیا گیا تھا۔ خواص کے اس جم غفیر میں قادری صاحب نے مجھے ۴۵/ منٹ کا تنہائی میں وقت دیا۔ گفتگو کا آغاز ان کی ذاتی زندگی سے ہوا اور ان کے مشن اور تحریک تک ہی بات پہنچی تھی کہ وقت ختم ہو گیا اور وہ ائرپورٹ جانے کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے۔ میرا مدعا اور مقصود حاصل نہیں ہو سکا تھا، اس لیے میں نے ان سے بے تابانہ عرض کیا کہ ہمارے ان سوالات پر آپ سے گفتگو نہیں ہو سکی، جن کے لیے میں حاضر آیا تھا۔ اس پر انھوں نے فرمایا کہ آپ کے یہ تمام سوالات تقریباً وہی ہیں جن کے جوابات میں مختلف موقعوں پر دے چکا ہوں۔ آپ چاہیں تو اس انٹرویو کے ساتھ میری ان وضاحتوں کو شامل کر لیجیے—— اس بات کو تقریباً ایک سال سے زائد کا عرصہ گزر چکا ہے۔ بات آئی، گئی، ختم ہو گئی، کیوں کہ ہندوستان سے ان کے جاتے ہی یہ مسئلہ بھی دب چکا تھا، اس لیے ہم نے اس انٹرویو کو شائع نہیں کیا۔ مگر اب ایک بار پھر قادری صاحب کی آمد آمد ہے اور ساتھ ہی تنازعات کا ایک بار پھر دور شروع ہو چکا ہے، اندیشہ ہے کہ ان کی آمد کے ساتھ اس میں تیزی بھی آتی جائے گی، اس لیے ان سے کی گئی گفتگو کے اقتباسات اور ۱۹۸۷ء میں مولانا مفتی تقدس علی خاں قادری رضوی کے پروفیسر طاہر القادری سے ان کی متنازع عبارتوں پر کیے گئے سوالات اور ان پر قادری صاحب کے جوابات ہم شائع کر رہے ہیں، اس نیت کے ساتھ کہ امت مسلمہ خصوصاً علما کے مابین جو کشمکش ہے، اس کا خاتمہ ہو جائے اور اہل سنت وجماعت متحد ہو کر دین وسنیت کی سربلندی کے لیے کمربستہ ہو جائیں۔ اس انٹرویو کی اشاعت سے ہمارا مقصد نہ کسی کی حمایت ہے اور نہ مخالفت، بلکہ ہمارا کام ایک درمیانی کڑی کا ہے، بقیہ علما متحدہ طور پر جو فیصلہ لیتے ہیں وہ سبھوں کے لیے قابل قبول ہوگا۔ (**خوشتر نورانی**)

خوشتر نورانی: ہندوستان میں آپ تشریف لائے، مختلف شہروں میں آپ کے متعدد خطابات اور درس ہو رہے ہیں جن میں لاکھوں افراد شریک ہو رہے ہیں، ہندوستان کا یہ دورہ آپ کو کیسا لگا؟

پروفیسر طاہر القادری: اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ بڑا تاریخی دورہ تھا، اللہ کا شکر و احسان ہے- میں بہت مطمئن ہوا- ہر اجتماع میں لاکھوں ہزاروں افراد شریک رہے، اس کے علاوہ ہر اجتماع کا ٹی وی پر لائیو ٹیلی کاسٹ ہو رہا تھا، جس کے ذریعے لاکھوں افراد ہمارے خطاب کو متعدد ممالک میں سن رہے تھے، اس طرح ایک ایک اجتماع کو سننے اور دیکھنے والوں کی تعداد ایک کروڑ سے زیادہ تھی- میں نے یہاں لوگوں میں اسلام کے لیے قابل رشک جذبات دیکھے اور آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لیے وارفتگی اور محبت دیکھی، صدق و اخلاص دیکھا اور دین کی سربلندی کے لیے ان کی تڑپ دیکھی- مجھے یہ کہنے میں کوئی تأمل نہیں کہ اس قدر دینی جذبہ، آقا کی محبت اور تڑپ میں نے دنیا کے کسی دوسرے خطے میں نہیں دیکھا- یہی وجہ ہے کہ ہر ہر اجتماع میں لوگوں کا سمندر دکھائی دیا، جو میرے بیانات کو سننے کے لیے بے تاب تھا-

خوشتر نورانی: پروفیسر طاہر القادری کو شیخ الاسلام پروفیسر ڈاکٹر طاہر القادری بنانے میں کن اسباب وعوامل کا حصہ ہے؟

پروفیسر طاہر القادری: سب سے بنیادی سبب تو اللہ رب العزت کا فضل، اس کا کرم اور اس کی رحمت ہے- حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نعلین پاک کی خیرات، آپ کی توجہات اور رحمت وشفقت ہے- بقیہ دنیاوی اسباب ومعاملات ہیں- میری شخصیت سازی میں میرے والدین اور بالخصوص میرے والد گرامی فرید ملت حضرت قبلہ ڈاکٹر فرید الدین قادری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی تعلیم وتربیت کا بنیادی دخل ہے- وہ میرے والد بھی تھے، شیخ بھی، استاذ بھی اور مربی بھی - میری ابتدائی صرف ونحو کی کتابوں سے لے کر دورۂ حدیث کی تکمیل تک مختلف مراحل میں انھوں نے مجھے پڑھایا اور بقیہ اساتذہ بھی مجھے پڑھاتے رہے- پھر میرے شیخ سیدنا طاہر علاء الدین الگیلانی البغدادی، جن کی صحبت اور فیض سے میں تقریباً ۲۷ برسوں تک فیض یاب ہوتا رہا، میری زندگی کو سنوارنے میں حضرت شیخ کا بھی بڑا حصہ ہے-

یہاں ضمنی حیثیت سے یہ بھی عرض کرتا چلوں کہ میری شخصیت سازی میں میرے والد گرامی کی خاموش اور عملی تربیت کا بہت بڑا دخل ہے- مجھے عمر کا وہ زمانہ یاد نہیں ہے، کیوں کہ میری عمر بہت چھوٹی تھی، جب سے انہوں نے مجھے تہجد کا پابند بنا دیا تھا- یہ ان کی صوفیانہ تربیت کا ایک حصہ تھا، جیسے صوفیہ اور اہل اللہ اپنے مریدین کی تربیت کیا کرتے تھے- والد گرامی نے مجھے زبان سے کبھی نہیں کہا کہ بیٹے یہ نماز ہے، یہ تہجد ہے- بلکہ سردیوں کا موسم ہے تو پانی گرم کر کے رکھ دیتے اور کوئی سویٹ ڈش لے کر میرے کمرے میں مجھے جگانے کے لیے آتے تو ان کے قدموں کی آہٹ سے میری آنکھ کھل جاتی تھی اور وہ مجھے صرف اتنا کہہ کر کہ بیٹے میں نے گرم پانی رکھ دیا ہے (اگر سردیاں ہوتیں) اور چلے جاتے- جب میری شعور کی آنکھ کھلی تو میں انہیں راتوں کو مصلے پر زار وقطار روتے، قصیدہ بردہ پڑھتے اور آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بارگاہ میں آہ وزاری کرتا ہوا دیکھتا تھا- اس عملی تربیت، کیفیت اور مشاہدے کا نتیجہ تھا کہ یہ ساری چیزیں مجھ میں خود بخود سرایت کرتی چلی گئیں-

پھر انھوں نے میری شخصیت سازی اس طرح کی کہ مجھے صرف ایک سمت کی تعلیم نہیں دی بلکہ بچپن سے ہی مجھے دینی اور دنیاوی دونوں تعلیم یکساں طور پر دینا شروع کیا- دینی تعلیم کا آغاز تو اس طرح کیا کہ عربی کے قواعد اور کئی ابتدائی کتابیں انھوں نے مجھے خود پڑھائیں تاکہ بچپن سے ہی میں عربی زبان سمجھنے اور بولنے کے قابل ہو جاؤں اور پھر باقاعدہ دینی تعلیم کے آغاز کے لیے مجھے مدینہ طیبہ لے گئے اور اس طرح ۱۹۶۳ء میں حضرت مولانا ضیاء الدین مدنی علیہ الرحمہ (خلیفہ اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خاں فاضل بریلوی) کے یہاں میری بسم اللہ ہوئی اور ان سے ابتدائی تلمذ کا شرف حاصل ہوا اور پھر مدرستہ العلوم الشرعیہ میں مجھے داخل کرا دیا- یہ مدرسہ گنبد خضریٰ کے سامنے تھا اور حضرت سیدنا ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے گھر میں قائم کیا گیا تھا، جس گھر میں آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ابتدائی چھ ماہ قیام فرمایا تھا- تو میری تعلیم وتربیت کے تعلق سے والد گرامی کا یہ اہتمام صرف اس لیے تھا کہ مجھے ان اماکن اور شخصیات کے فیوض و برکات حاصل ہوں- یہی وجہ ہے کہ انھوں نے مجھے شیخ عربی بن عباس المالکی کے درس میں کئی ماہ شریک کیا، جو شیخ محمد بن علوی المالکی کے والد گرامی تھے، اسی طرح مولانا عبدالشکور مہاجر مدنی کے حلقۂ درس میں بٹھایا، یہاں تک کہ مختلف محدثین، مفسرین، شیوخ، اہل اللہ اور علما سے جب ملنے جاتے تو مجھے بھی ساتھ رکھتے - گویا بچپن سے انھوں نے علم دین، تصوف، علم

حدیث، اولیاء اللہ، صوفیہ اور علما کے ساتھ میری رغبت پیدا کردی تھی- ان علمی اور روحانی صحبتوں کا ایسا اثر ہوا کہ میں بچپن سے اپنا زیادہ تر وقت مطالعے، کتب بینی اور کتابوں کو کھنگالنے میں گزارتا یا علما اور صوفیہ کی صحبتوں سے استفادہ کرتا-

خوشتر نورانی: آپ کو غوث اعظم سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کا عاشق کہا جاتا ہے، آپ کو یہ وارفتگی کیسے ہوئی؟ فیضان غوثیت کے بارے میں کچھ بتائیں؟

پروفیسر طاہر القادری: دیکھئے! حضور سیدنا غوث الاعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہماری خاندانی اور موروثی غلامی ہے- میرے ابا جی علمی مشرب کے اعتبار سے 'فرنگی محلی' تھے، گویا ہم اپنے علمی مشرب میں فرنگی محلی ہیں، ورنہ تو ہم نے حرمین شریفین میں مختلف شیوخ سے استفادہ کیا، ملک شام میں شیخ محمد المکی الکتانی، الفاتح الکتانی، شیخ محمد جعفر الکتانی، شیخ حسین بن احمد (تلمیذ امام نبہانی) سے بھی ہم نے تعلیم حاصل کی، یعنی بلاد عرب سے بھی ہمارا علمی سلسلہ رہا، مگر پاک و ہند میں اگر ہمارے علمی سلسلے کا منبع تلاش کریں تو ہم علمی مشرب کے اعتبار سے فرنگی محلی ہیں- میرے والد گرامی ۱۰؍سال فرنگی محل میں پڑھے- حضرت مولانا عبدالباقی الانصاری فرنگی محلی سے ان کو تلمذ تھا، جو مولانا عبدالحی فرنگی محلی کے تلامذہ میں سے تھے، پھر ان کے بھائی مولانا عبدالہادی فرنگی محلی سے کئی سال پڑھا- غرض بیسویں صدی کی دوسری اور تیسری دہائی میں فرنگی محلی میں جو اساتذہ تھے، ان سے انھوں نے استفادہ کی-

لیکن حضور سیدنا غوث الاعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے میرے والد گرامی رحمۃ اللہ علیہ کو نسبت غلامی اس طور پر ہے کہ انھیں نقیب الاشراف سیدنا شیخ ابراہیم سیف الدین الگیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بیعت اور اجازت حاصل تھی، جو بغداد شریف میں حضور غوث اعظم کے ''نقیب الاشراف'' تھے- ہمارے والد نے بارگاہ غوثیت مآب میں حاضر ہو کر کثرت سے اکتساب کیا اور فیض پایا- اس طرح بچپن میں ہی انھوں نے میری روحانی نسبت سیدنا حضور غوث اعظم سے قائم کروادی تھی- یہی وجہ ہے کہ میں سمجھتا ہوں کہ بچپن سے ہی حضور سیدنا غوث اعظم کی روحانی توجہات اور عنایات مجھ پر شروع ہوگئی تھیں اور میرے بیعت ہونے سے بہت پہلے، کم عمری میں ہی میری ''نسبت قادریت'' مستحکم اور پختہ ہوگئی تھی- پھر جب خود میں نے حضرت سیدنا شیخ طاہر علاء الدین الگیلانی البغدادی سے بیعت کی (جو نقیب الاشراف سیدنا شیخ ابراہیم سیف الدین الگیلانی کے کزن (بھائی) تھے اور وہ نقیب الاشراف سیدنا شیخ محمود حسام الدین کے صاحبزادے تھے) تو یہ نسبت مزید مستحکم ہوگئی- اپنے شیخ کی صحبت میں میں ۲۷؍برس رہا اور اکتساب فیض کیا- میں ہر سال بغداد شریف حاضری کے لیے جاتا، وہاں جھاڑو دیتا، جوتیاں سیدھی کرتا اور ان کی خدمت کرتا- اسی طرح میرے دادا جان کو بھی نسبت قادریت ملی، گویا پشتوں سے حضور غوث پاک رضی اللہ عنہ سے ہمارے گھر کو نسبت غلامی رہی ہے-

خوشتر نورانی: آپ کی زندگی کا ہدف کیا ہے جہاں آپ اپنے مشن کے ذریعے پہنچنا چاہتے ہیں؟

پروفیسر طاہر القادری: حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ امت کا رشتۂ قلبی وحبی، رشتۂ ادب، رشتۂ تعظیم وتکریم، رشتۂ اطاعت واتباع، رشتۂ غلامی اور رشتۂ توسل وشفاعت رہا ہے، یعنی حضور کی بارگاہ اور ان کی ذات سے وابستہ رہنے کا جو ہمہ جہت رشتہ ہے، وہ صدیوں تک امت کا پختہ رہا اور ان کا ایمان قوی رہا ہے- مگر اب یہ رشتے کہیں ٹوٹ رہے ہیں یا کمزور پڑ رہے ہیں- میری زندگی کا بنیادی اور آخری ہدف یہ ہے کہ میں مر جاؤں، مگر امت کا رشتہ حضور کی غلامی کے ساتھ جوڑ دوں، یہی میری زندگی کا مشن ہے، یہی میری تحریک ہے اور یہی میرا انقلاب ہے، کیوں کہ کہیں عقیدہ اچھا ہے تو علم، عمل اور اخلاق نہیں ہے اور کہیں علم، عمل اور اخلاق ہے تو عقیدہ درست نہیں- عموماً لوگ علم، عمل اور اخلاق دیکھ کر غلط عقیدے کا سودا کر رہے ہیں اور ہمارے یہاں عام طور پر مذہبی رہنماؤں کے علم، عمل اور اخلاق سے مایوس ہو کر لوگ اپنے درست عقیدے کو چھوڑے جا رہے ہیں، مگر انبیا اور صوفیہ کے وارثین یہ سوچنے کو تیار نہیں کہ آخر لوگ اپنے عقیدے کیوں تبدیل کر رہے ہیں- اس لیے میری عالمی سطح پر کوشش ہے کہ امت میں جو دینی زوال آرہا ہے، اسے روکا جائے اور امت کے عقیدہ وخیال کو گنبد خضریٰ کی سمت کر دیا جائے- میرے ہزاروں خطابات، دروس حدیث، دروس قرآن اور سیکڑوں کتابوں میں میری اس کوشش کو دیکھا، سنا اور پڑھا جا سکتا ہے-

خوشتر نورانی: آج منہاج القرآن ایک بڑی عالمی تحریک بن گئی ہے، یہ کیسے ممکن ہوا؟

پروفیسر طاہر القادری: دیکھئے! میں سمجھتا ہوں کہ کوشش تو انسان کرتا ہے، لیکن جب تک اللہ رب العزت کی تائید اور آقا علیہ السلام کی توجہ اور عنایت شامل حال نہ ہو، کامیابی و کامرانی حاصل نہیں کی جا سکتی- 'منہاج القرآن' کے بارے میں بھی میں یہی کہہ سکتا ہوں کہ اس پر اللہ رب العزت کا خاص فضل اور پیارے آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خصوصی عنایتیں ہیں- اس کے بغیر منہاج القرآن کو وہ مقام حاصل نہیں ہوتا جو حاصل ہوا اور یہ فضل اور عنایات اخلاص دینی سے حاصل ہوتا ہے-

اس کے علاوہ ہماری اور ہمارے دوستوں کی محنت اور لگن ہے- میں نے ۲۴ر گھنٹے میں ۲۰/۲۰ گھنٹے کام کیے ہیں- آج اس عمر اور اس صحت میں بھی میری نارمل ورکنگ آور ۱۸ر گھنٹے ہے- میرے علاوہ اور بھی لوگ ہوں گے جو روزانہ ۱۸ر یا ۲۰ر گھنٹے کام کرتے ہوں گے، لیکن نتائج وہ نہیں ہیں، اس لیے میرا یقین ہے کہ آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ہم پر خاص فضل و کرم ہے- میں سمجھتا ہوں کہ شاید یہ اللہ کی مرضی ہے کہ تحریک منہاج القرآن کے ذریعے اس صدی میں تجدید دین کا کام ہو- دین کی، عقیدے کی، مسلک کی، علم کی اور فکر کی تجدید ہو- اگر اللہ کی ایسی مرضی ہو تو اسباب بھی وہ خود پیدا فرما دیتا ہے اور ناممکن کو ممکن کر دیتا ہے-

اس کے علاوہ میں نے اپنی زندگی میں دو تین باتوں کو بطور اصول اپنایا ہے- میں دوسروں کو بھی نصیحت کروں گا کہ اگر وہ دین کا کام کرتے ہیں تو ان باتوں کا خیال رکھیں- ان شاء اللہ ان اصول کو اپنانے سے وہ اپنی زندگی اور کام میں بڑی برکتیں دیکھیں گے-

۱- میں نے اپنی زندگی کا ایک اصول تو یہ بنایا کہ دین کے کام میں دنیاداری شامل نہیں کی- یعنی آخرت کے کام میں دنیا کو نہیں ملایا- میں نے پوری زندگی میں نذرانے، تحفے اور ہدیہ کے نام پر خدمت دین کا (کسی بھی عنوان سے) کوئی معاوضہ نہیں لیا- حتیٰ کہ میں نے اپنی سیکڑوں تصانیف کی ایک پائی بھی رائلٹی (Royalty) نہیں لی- اپنے خطابات Dvds اور کیسٹس (Cassettes) کی بھی کوئی رائلٹی نہیں لی- جب کہ سات ہزار موضوعات پر میرے خطابات ہیں اور تقریباً میری ۵۰۰ کتابیں چھپ چکی ہیں، جن کی پورے ورلڈ میں سیلنگ ہے، اگر ان سب کا ٹرن اوور (Turnover) ہر ماہ جوڑ لیں تو یہ ملین میں بیٹھتا ہے- لیکن میں نے ان چیزوں سے ایک پائی نہیں لی-

حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سنت پر عمل کرتے ہوئے ان اجری الا علی اللہ اگر اللہ نے قبول کیا تو میرا اجر اللہ کی بارگاہ میں اور آقا علیہ السلام کے حضور میں ہے- یہی طریقہ ہمارے اسلاف، اولیا، صوفیہ، علما اور مجتہدین کا تھا- اگر آپ امام اعظم ابو حنیفہ، امام مالک، امام شافعی، امام احمد ابن حنبل، امام غزالی، حضور سیدنا غوث اعظم، خواجہ غریب نواز، مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہم کی حیات طیبہ کو پڑھیں اور اسی طرح دوسرے بزرگوں کے احوال طیبہ کو پڑھیں تو یہ چیز ہر جگہ یکساں طور پر نظر آئے گی، جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کے کاموں میں برکتیں عطا فرمائیں اور کے مشن کو کامیابی سے سرفراز کیا-

۲- دوسرا اصول، جسے میں خالص توفیق الٰہی سمجھتا ہوں، اگر اللہ توفیق نہ دیتا تو میں اس پر کاربند نہیں رہ سکتا تھا- وہ یہ کہ میری زندگی میں بہت لوگ مجھے گالیاں دیتے رہے، لیکن میں نے ان کی گالیوں کا کوئی جواب نہیں دیا- مجھ پر کبھی کفر کے فتوے لگائے، کبھی ارتداد کے فتوے لگائے، کبھی اسلام سے خارج کیا، کبھی اہل سنت سے خارج کیا، کبھی اشتہار چھاپ رہے ہیں، کبھی مناظرے کی دعوت دے رہے ہیں، جواب مانگ رہے ہیں، تماشے کر رہے ہیں، لیکن ہم نے کبھی کوئی جواب نہیں دیا- بس پوری توجہ سے اسلام کی سربلندی اور آقا علیہ السلام کا پیغام ایمان و محبت عام کرنے میں لگا رہا-

تحریک منہاج القرآن ۱۹۸۱ء میں شروع ہوئی- اس کے قیام کے ۶ر ماہ بعد ہی میرے خلاف پروپیگنڈے شروع ہو گئے تھے- میں گزشتہ ۳۲ر سالوں سے مسلسل اپنا کام کر رہا ہوں- اس درمیان ایسے لایعنی اعتراضات کا جواب دینے میں ایک صفحہ بھی سیاہ نہیں کیا، نہ کسی کو برا بھلا کہا، نہ طبیعت میں ملال آیا اور نہ انتقام کے بارے میں سوچا- بلکہ بے نیاز ہو کر اس کو بھی میں نے حضور علیہ السلام کی سنت سمجھ لیا کہ انبیا، ائمہ اور اولیا کے ساتھ ایسا ہوتا رہا ہے تو ہم تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے غلام ہیں- خطیب بغدادی کی کتاب پڑھیں تو آپ کو اندازہ ہوگا کہ امام اعظم پر کتنی تہمتیں لگیں، کیا کچھ نہیں کہا گیا ان کو، کوئی انہیں مرجئہ کہتا اور کوئی کچھ کہتا، یہاں تک کہ بڑے بڑے محدثین نے ان سے روایتیں نہیں لیں- امام مالک کو کوڑے لگوائے گئے، ان کی داڑھی منڈوادی گئی- امام شافعی کو رافضی کہا گیا- امام احمد ابن حنبل کو کوڑے مارے گئے- امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ پر کفر کا فتویٰ لگا اور اس دور کے مفتیان کرام نے ان کی شاہکار کتاب ''احیاء علوم الدین'' کو جلا

دینے کا فتویٰ دیا- حضرت سلطان العافین بایزید بسطامی کو اپنے وطن بسطام سے نکال دیا گیا- حضرت امام ابوالحسن شاذلی مصر گئے تو وہاں سے پتھر مار کر ان کو نکال دیا گیا تو سمندر میں کشتی پر گھومتے رہے- شیخ محی الدین ابن عربی کر مار مار کر شہید کر دیا گیا- کن کن کا نام لوں؟ اپنے وقت کے تمام بڑے ممتاز علما، فقہا، صلحا، اولیا اور محدثین کے ساتھ اس زمانے کے لوگوں نے اسی طرح کا سلوک کیا-

امام شعرانی اور امام جلال الدین سیوطی کے حالات پڑھ جایئے، آپ کو اندازہ ہوگا کہ جن لوگوں نے بھی اپنے عہد میں تجدید واحیائے دین کا کام کیا، سب پر تہمتیں لگیں، سب کے خلاف آوازیں بلند ہوئیں، فتوے لگے اور ایک طوفان بپا کیا گیا- مگر ہر امام، ہر مجدد، ہر فقیہ، ہر ولی کا وتیرہ یہ رہا کہ انھوں نے ناسمجھ علما سے تکرار نہیں کیا، ان کے جواب اور جواب الجواب میں اپنا وقت خراب نہیں کیا، بلکہ وہ مسلسل کام کرتے رہے- میں نے اپنے اکابر ومشائخ کی اسی سنت پر عمل کیا اور مجھے جو کہا گیا میں سنتا رہا اور اپنا کام کرتا رہا-

۳- تیسرا اصول میں نے یہ بنایا کہ اپنے دل ودماغ کو صرف اور صرف اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف جھکائے رکھا- نہ دنیا کی کسی چیز کی لالچ کی اور نہ خوف کھایا- دنیا کی بڑی سے بڑی طاقت کا خوف نہیں ہے اور نہ بڑی سے بڑی دولت کی لالچ ہے- صرف آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نعلین پاک کی لالچ ہے اور وہی ہمارا ہدف ہے- میں نے صرف اسی ایک امید پر اپنی زندگی کا سارا کام کیا ہے کہ حضور ایک بار مسکرا دیں اور یہ فرما دیں کہ یہ میرا کتا ہے، اس نے ایک اچھا کام کیا ہے- اللہ کی بارگاہ سے بخشش اور اس کی رضا مل جائے گی-

خوشتر نورانی: اخبارات کے مطابق 'منہاج القرآن' کو یہ اعزاز حاصل ہوا کہ اسے یونیسکو کی ایڈوائزری بورڈ میں شامل کیا ہے، اتنا بڑا اعزاز کیسے ممکن ہوا؟ کچھ روشنی ڈالنا پسند کریں گے؟

پروفیسر طاہر القادری: جی! الحمد للہ! جولائی ۲۰۱۱ء میں یو این او (United Nation Organization) کے ادارہ یونیسکو نے منہاج القرآن کو Consultant کا عہدہ دے دیا ہے اور شاید اسلامی پس منظر رکھنے والی دنیا کی یہ پہلی جماعت ہے، جسے یونیسکو نے اس مقام سے نوازا ہے- خدمت انسانیت، فروغ امن وسلامتی اور عالمی فلاح و بہبود کے حوالے سے منہاج القرآن کی خدمات کے عوض یونیسکو نے اسے Consultant کا منصب دیا ہے- اس پر میں اللہ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ اس نے تمام مسلمانوں کی جانب سے منہاج القرآن کو یہ حصہ عطا کیا- یہ ایک مثال بھی ہے کہ آج کے اس دور میں بھی جب ہر طرف اسلام اور مسلمانوں کے حوالے سے منفی باتیں اور غلط رجحانات کو عام کیا جا رہا ہے، ایسے گھٹن کے ماحول میں بھی اگر آپ اپنی سطح سے نیچے نہ گریں، سنجیدگی اور ایمان داری سے عالمی سطح پر خدمت انسانیت میں لگے رہیں اور محبت وامن کے فروغ کا کام کریں تو آپ کے کام کو عالمی سطح پر Recognized کیا جائے گا اور اس کا اعتراف ہوگا-

خوشتر نورانی: آپ نے کرسچن مسلم ڈائیلاگ فورم کی بنیاد ڈالی ہے، اس پس منظر میں آپ کے کیا مقاصد ہیں اور اس کے ذریعے کہاں تک آپ کے مقاصد پورے ہو رہے ہیں؟

پروفیسر طاہر القادری: کرسچین مسلم ڈائیلاگ کا بنیادی مقصد Peace and Hormony (امن وسکون) ہے- اس کے بہت سے فوائد حاصل ہوئے- میں یہاں بطور مثال صرف ایک بات کہوں گا اس سے آپ کے قارئین کو روشنی ملے گی-

میں نے انٹرفیتھ ڈائیلاگ اور پیس اینڈ ہارمنی کے لیے جو کام کیا، اس کا اثر یہ ہوا کہ غیروں نے بھی بصد شوق منہاج القرآن کے بینر تلے آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذکر کی محفل منعقد کی، آقا علیہ السلام کا ذکر سنا اور بالواسطہ اسلام کی دعوت ان تک پہنچائی گئی- ثقافت میلاد کا احیا منہاج القرآن کا بہت بڑا Contribution ہے، پاکستان میں میلاد کی محفلیں، میلاد کے جلسے، میلاد کے جلوس بہت ہی ماند پڑ گئے تھے، منہاج القرآن کی بیس سالہ کوششوں نے اسے عروج پر پہنچا دیا اور لوگوں کے دلوں میں عشق رسول ﷺ کو بیدار کیا- یہی وجہ ہے کہ مینار پاکستان کے پاس جب ہم نے میلاد کی محفل منعقد کی، اس میں دس گھنٹوں تک موسلا دھار بارش ہوتی رہی اور لاکھوں کی تعداد میں عشاق رسول بیٹھے رہے اور ذکر رسول سنتے رہے-

اسی طرح انگلینڈ، کناڈا اور دوسرے مغربی اور ایشائی ملکوں میں ہم بڑے پیمانے پر ذکر رسول کی محافل منعقد کرتے ہیں، اس میں آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام کا پیغام اور سیرت سننے کے لیے عیسائیوں، یہودیوں، ہندوؤں اور دوسرے مذاہب کے لوگوں کو بلاتے ہیں، وہ آتے ہیں اور پیارے آقا علیہ السلام کا ذکر مبارک سنتے ہیں- محرم، معراج النبی اور

دیگر مواقع پر ہمارے مبلغین کے خطابات سنتے ہیں، بعض دفعہ وہ بھی بذات خود اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ پر اپنے مثبت خیالات کا اظہار کرتے ہیں- اب صاف ظاہر ہے کہ جب وہ سنیں گے تو ان کے دلوں پر اس کے اثرات بھی پڑیں گے اور اسلام کی دعوت بھی ان تک پہنچے گی- اللہ کا شکر ہے کہ اس طرح کے پروگراموں کے سبب بہت سے لوگ کلمہ پڑھ کر مسلمان ہوئے ہیں- میں اس Chapter کو کھولنا نہیں چاہتا- بس ایک جملہ ہی کافی ہے، سیکڑوں لوگوں نے اس کا اعتراف کیا کہ ہم نے تو اسلام کو کچھ اور ہی سمجھا تھا، ہمیں پتا ہی نہیں تھا کہ اسلام تو سراپا محبت کا نام ہے، انسانیت کا نام ہے اور روحانیت کا نام ہے- بے شمار لوگ متاثر ہوئے اور داخل اسلام ہوئے اور اس کے دور رس اثرات اور نتائج سامنے آئے اور سب سے بڑی بات یہ کہ اسلام کے حوالے سے غیر مسلموں کے جو منفی تصورات تھے وہ اس طرح کے پروگراموں سے ختم ہوئے اور اسلام کے بارے انہوں نے مثبت رائے قائم کی-

امریکا میں ایک کتاب World Religions کے نام سے شائع ہوئی ہے- یہ کتاب وہاں کی یونیورسٹیوں میں بھی داخل نصاب ہے- یہ آپ کو انٹرنیٹ پر بھی مل جائے گی- لیکن عجیب بات یہ ہے کہ اس میں جو اسلام کا باب ہے اس کا اختتام ''القاعدہ'' اور ''اسامہ بن لادن'' کے افکار و تعلیمات پر ہوا تھا- آج سے دو سال پہلے تک یہی صورت حال تھی، پچھلے سال سے انہوں نے اسامہ بن لادن کے ذکر کے بعد ایک مضمون کا اضافہ کیا اور اس میں میرا ذکر شامل کیا اور دہشت گردی کے خلاف میرے فتوے کے پانچ اقتباسات نقل کیے- پھر اس کے بعد لکھا ہے کہ اسلام کا موجودہ ورژن صرف وہی نہیں ہے جو القاعدہ اور اسامہ کا ہے بلکہ اس کے برخلاف اسلام کا ایک Peaceful Version ہے جسے ڈاکٹر طاہر القادری نے پیش کیا ہے- اس طرح اسلام کے تعلق سے مثبت انداز فکر امریکا کی نصابی کتاب میں شامل ہوگیا- اس سے آپ اندازہ کریں کہ منہاج القرآن کے مثبت اور پرامن تعلیمات و پیغامات سے دنیا میں اسلام کے تعلق سے کس قدر مثبت پیغام جارہا ہے-

خوشتر نورانی: اکیسویں صدی کے چیلینجز کا مقابلہ کرنے کے لیے علما کو کن خطوط پر کام کرنا چاہیے؟

پروفیسر طاہر القادری: علما کو جن خطوط پر کام کرنا چاہیے ان میں سب سے پہلا کام تو یہ ہے کہ وہ جھگڑا اور فساد ختم کردیں- آپ جانتے ہیں کہ دیگر مسالک کے علما کے مابین بھی شدید اختلافات ہیں- لیکن وہ ان اختلافات کو داخلی طور پر حل کر لیتے ہیں، ان کو باہر نہیں آنے دیتے- اس کے برخلاف علمائے اہل سنت کے سارے اختلافات اسٹیجوں پر آجاتے ہیں، جس کا سب سے بڑا نقصان یہ ہوتا ہے کہ بعض علما کے فسادی رویے سے بدظن ہو کر بے شمار لوگ دوسرے خیموں میں چلے جاتے ہیں اور ان کے دلوں سے علما کی قدر جاتی رہتی ہے، جس سے مقامی سطح پر دین کاموں میں بڑی رکاوٹیں پیدا ہو جاتی ہیں-

دوسری بات یہ، جسے میں علمائے اہل سنت سے بطور خاص کہوں گا کہ وہ اگر اکیسویں صدی میں داخل ہونا چاہتے ہیں یا دوسرے لفظ میں باعزت زندہ رہنا چاہتے ہیں تو اس صدی میں اسلام کو منوانے کی کوشش کریں اور پیغمبر اسلام علیہ السلام کو منوانے کی کوشش کریں- اپنے آپ کو منوانے کی کوشش چھوڑ دیں، مگر آج ترتیب الٹی ہوگئی ہے- آج آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام کو منوانے کی فکر ختم ہوگئی ہے، آج ہر شخص اس پر لگا ہوا ہے کہ مجھے تسلیم کرو، میرے مرید بنو، میرے فتوے کو مانو اور اپنے مسلک اور عقیدے کو میرے گھر اور شہر سے منسلک کرو- ہر آدمی پیغمبر کی جگہ سنبھالنے کی کوشش کررہا ہے، معاذ اللہ استغفر اللہ- اس لیے میری پہلی نصیحت یہ ہے کہ پیغمبر نہ بنیں، پیغمبر کے غلام اور امتی بنیں، اللہ رب العزت دارین کی سعادتوں سے نوازے گا-

تیسری بات یہ کہ ہمیشہ اپنے آپ کو ''اہل سنت و جماعت'' سے معنون کریں، اہل تصوف، آقا علیہ السلام کے عشاق اور خوش عقیدہ مسلمان اسی نام سے پوری دنیا میں پہچانے جاتے ہیں- ہمارے اسلاف اولیا اور ائمہ سب ہمارے سر آنکھوں پر ہیں، مگر ان کے ناموں سے مسلک کو معنون کا کرنے کا بڑا نقصان یہ ہوتا ہے کہ ہمیں نوپیدا فرقہ سمجھ لیا جاتا ہے اور اس کی تشہیر کی جاتی ہے- آج یہی وجہ ہے کہ ہم مسلکی سطح پر دفاعی پوزیشن میں کھڑے ہیں-

پھر یہ کہ امام سیوطی، امام نبہانی، امام عسقلانی، امام قسطلانی، امام غزالی اور امام شعرانی نے بھی اپنے مسلک کو اپنے نام سے متعارف نہیں کرایا- یوں ہی بڑے بڑے اولیاء اللہ ہوئے، مثلاً حضور غوث اعظم، خواجہ محبوب الٰہی، حضرت قطب الدین بختیار کاکی، خواجہ غریب نواز، ان کے مریدین نے کبھی اپنے مسلک کو اپنے شیخ کے ساتھ منسوب نہیں کیا- اپنے مسلک کو مسلک نظامیہ، مسلک اجمیریہ، مسلک صابریہ، مسلک

قادر یہ نہیں کہا- مسلک صرف اور صرف ''اہل سنت و جماعت'' کہلاتا تھا- اسی طرح فقہی مذہب کی بات ہوتی تھی تو علما اور مشائخ احناف اپنے آپ کو حنفی المذہب'' کہتے تھے- حالاں کہ امام اعظم کے بعد فقہ حنفی میں بڑے بڑے فقہا پیدا ہوئے، امام سرخسی، ابن ہمام، صاحب ہدایہ، امام صنعانی، مصنف کنز الدقائق اور صاحب قدوری ہوئے، لیکن کسی نے امام اعظم کے بعد فقہ کو اپنی طرف منسوب نہیں کیا- تیرہ سوسال پہلے'' فقہ'' امام ابوحنیفہ کی طرف منسوب ہو گیا، اس کے بعد حنفیوں نے اپنی شناخت کے لیے کسی اور فقیہ سے اپنے آپ کو منسوب نہیں کیا، پھر آج اپنے مسلک کو کسی شخصیت کی طرف کیوں منسوب کر رہے ہیں؟ ہماری تمام شخصیات محترم ہیں، لیکن آپ مسلک کو کسی شخصیت کسی طرف جب منسوب کریں گے تو سواد اعظم کو ایک چھوٹا فرقہ بنادیں گے- ہم فرقہ نہیں ہیں، جماعت ہیں اور سواد اعظم ہیں- حضور علیہ السلام نے ہمیں ملت کہا، جماعت کہا، سواد اعظم کہا اور یہ ناجیہ ہے- اس لیے علما کو اپنے ہم مسلک علما کے ساتھ تنگ نظری نہیں کرنا چاہیے اور آپسی جنگ و جدال سے دور رہنا چاہیے- اگر اختلافات ایک دوسرے کے ساتھ علمی ہو تو اسے برداشت کریں، علما میں علمی اختلافات ہوتے ہیں، ایک مسئلے پر سب کے فتوے اور سب کے نظریات ایک نہیں ہوتے، فتاویٰ میں اختلاف ہیں، فروعات میں اختلاف ہیں، شرح حدیث میں اختلاف ہے، مفسرین میں اختلاف ہے- اختلافات پر کبھی کسی نے ایک دوسرے کو کافر نہیں بنایا- ہم ایک دوسرے کو برداشت کریں اور یکجہتی اور اجتماعیت پیدا کریں-

چوتھی بات یہ کہ ہمارے علما حرص اور لالچ سے دور رہیں- مجھے علم ہے کہ اگر کسی نے تقریر کی دعوت دے دی تو ہمارے بعض خطبا ایک ایک لاکھ کی فرمائش کرتے ہیں- سب نے اپنا ریٹ بنایا ہوا ہے- جیسے بھانڈ، اداکار، گانے والے اور فلم اداکار اپنا ریٹ لیتے ہیں اور ریٹ طے کر کے ہی جاتے ہیں، اسی طرح یہ بھی جاتے ہیں- اس طرح دین، ملت، مسلک اور طریقت کو ہم نے تجارت بنا رکھا ہے- اس سے ہم باز آجائیں، دین، مسلک اور طریقت کو دکان اور تجارت نہ بنائیں- اگر دین کے علما بھی ریٹ متعین کر کے جائیں گے تو لوگ لعنت بھیجیں گے- اس سے دین کی تبلیغ میں برکت نہیں ہوگی- دوسرے مسلک کے لوگوں میں یہ گراوٹ نہیں آئی ہے، وہ ریٹ طے نہیں کرتے- ہاں! ان کو اگر لوگ دے دیتے ہیں تو وہ لے لیتے ہیں، نہیں دیتے تو نہیں لیتے ہیں، ایک یہ بھی سطح ہے- لیکن اس سے نیچے نہ گریں اور لالچ کو ختم کریں- اس سے اوپر اٹھیں اور علم میں محنت کریں- قرآن اور احادیث کی طرف رجوع کریں اور اپنی بات قرآن وسنت کے دلائل کی روشنی میں کہیں- متقدمین علما، محدثین، فقہا اور صوفیہ کے دلائل پیش کریں، آج کی نئی نسل دلائل کی بات سنتی ہے، بغیر دلیل کے کوئی بات سننے کو وہ تیار نہیں ہے-

اسی طرح آج ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم اپنے اخلاق کو سدھاریں، ہماری زبان میں کڑواپن ہے، اسے ختم کریں- میٹھی زبان استعمال کریں، گفتگو میں شیرینی لائیں- آج ہمارے لوگ پیار سے السلام علیکم نہیں کہتے، محبت سے مصافحہ نہیں کرتے، غضب ناک چہرہ رکھتے ہیں، سرخ آنکھیں رکھتے ہیں، ہمیں اپنے رویے کو بدلنا ہوگا- علم کو زندہ کریں، اخلاق محمدی کو تابندہ کریں، تقویٰ اختیار کریں، محبت عام کریں اور حضور کی محبت اور عشق میں ارتکاز کریں-

آخری بات یہ کہ دوسروں کے یہاں رویہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص ۹۵ فیصد ان سے مختلف ہے اور ۵ فیصد ان سے متفق ہے تو اسے وہ کھینچ کر اپنے مسلک میں شامل کر لیتے ہیں اور ہمارا حال یہ ہے کہ ہم میں کوئی شخص اگر ۹۹/ فیصد ہم سے متفق ہوتا ہے، ایک فیصد مختلف ہوتا ہے تو نکال کر ہم اسے اپنے مسلک سے خارج کر دیتے ہیں- یہ بہت ہی منفی اور Negative Approach ہے، اسے ختم کریں اور اپنے رویوں کی اصلاح کریں-

خوشتر نورانی: آخر میں ماہنامہ جام نور اور اس کے قارئین کے لیے آپ کا کوئی پیغام؟

پروفیسر طاہر القادری: آپ کے ماہنامہ جام نور کے لیے ہماری بڑی دعائیں ہیں- آپ کے دادا جان حضرت علامہ ارشد القادری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا پاک و ہند میں بڑا نام ہے، ان کی بڑی خدمات ہیں، مسلک کے لیے، عقیدے کے لیے، دین کے لیے، امت کے لیے، علم اور ادب کے لیے- میری دعا ہے کہ یہ جام نور ہمیشہ جام نور بنا رہے، پیام نور بنا رہے اور پیغام نور بنا رہے اور اس کی روشنی سے اللہ پاک لوگوں کو ہدایت بخشے- آپ کو اللہ رب العزت سلامت رکھے اور علامہ کے پورے خانوادے کو سلامت رکھے اور دینی، مسلکی، علمی، ادبی خدمات کی مزید توفیقات عطا کرے- آمین- □□□

مراسلہ

من جانب مولانا تقدس علی خان قادری رضوی بنام پروفیسر ڈاکٹر طاہر القادری، سربراہ تحریک منہاج القرآن انٹرنیشنل

جناب پروفیسر طاہر القادری صاحب! السلام علیکم ورحمۃ اللہ

آپ کی چند عبارتیں متکلم فیہ ہیں، مثلاً:

(۱) ''بحمد للہ مسلمانوں کے تمام مسالک اور مکاتب فکر میں عقائد کے بارے میں کوئی بنیادی اختلاف موجود نہیں ہے- البتہ فروعی اختلافات صرف جزئیات اور تفصیلات کی حد تک ہیں، جن کی نوعیت تعبیری اور تشریحی ہے، اس لیے تبلیغی امور میں بنیادی عقائد کے دائرہ کو چھوڑ کر محض فروعات وجزئیات میں الجھ جانا اور ان کی بنیاد پر دوسرے مسلک کو تنقید وتفسیق کا نشانہ بنانا، کسی طرح دانش مندی اور قرین انصاف نہیں-''

(کتاب 'فرقہ پرستی کا خاتمہ کیوں کر ممکن ہے؟' صفحہ نمبر ۶۵)

(۲) ''خالق کون ومکاں نے جب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی یہ اختیار نہیں دیا کہ وہ دین کے معاملے میں کسی پر اپنی مرضی مسلط کریں-'' الخ (کتاب مذکور صفحہ نمبر ۸۶)

(۳) ''میں شیعہ اور وہابی علما کے پیچھے نماز پڑھنا صرف پسند ہی نہیں کرتا، بلکہ جب بھی موقع ملے ان کے کے پیچھے نماز پڑھتا ہوں-''

(رسالہ دید وشنید، لاہور، ۴ تا ۱۹/اپریل ۱۹۸۶ء، بحوالہ رضائے مصطفیٰ، گوجرانوالہ، ماہ ذیقعدہ ۱۴۰۷ھ)

(۴) ''میں فرقہ واریت پر لعنت بھیجتا ہوں، میں کسی فرقے کا نہیں، بلکہ حضور کی امت کا نمائندہ ہوں-''

(رسالہ دید وشنید، لاہور، ۴ تا ۱۹/اپریل ۱۹۸۶ء بحوالہ رضائے مصطفیٰ گوجرانوالہ)

(۵) ''نماز میں ہاتھ چھوڑنا یا باندھنا اسلام کے واجبات میں سے نہیں، اہم چیز قیام ہے، میں قیام میں اقتدار کر رہا ہوں، امام چاہے کوئی بھی ہو، امام جب قیام کرے، سجود کرے، قعود کرے، سلام کرے تو مقتدی بھی وہی کچھ کرے- یہاں یہ ضروری نہیں کہ امام نے ہاتھ چھوڑ رکھے ہیں اور مقتدی ہاتھ باندھ کر نماز پڑھتا ہے یا ہاتھ چھوڑ کر-'' (نوائے وقت میگزین، ۱۹/ستمبر ۸۶ء، ملخصاً بحوالہ رضائے مصطفیٰ گوجرانوالہ)

(۶) ''میں حنفیت یا مسلک اہل سنت وجماعت کی بالاتری کے لیے کام نہیں کر رہا ہوں-''

(نوائے وقت میگزین صفحہ ۴- ۱۹ستمبر ۱۹۸۶ء، بحوالہ رضائے مصطفیٰ گوجرانوالہ)

گذارش یہ ہے کہ دیوبندی وہابیوں سے اہل سنت وجماعت کا اختلاف گستاخی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے ہے، جس کی تکفیر علمائے حرمین شریفین نے بھی کی ہے اور جس کی تمام تفصیلات حسام الحرمین شریف میں موجود ہیں- اب اس کی روشنی میں آپ فرمائیں کہ آپ کے مذکورہ بالا اقوال مسلک حقہ اہل سنت وجماعت کے سراسر خلاف ہیں کہ نہیں؟ اور کیا آپ کے نزدیک گستاخی رسول کی تکفیر میں کوئی شک ہے؟ یعنی آپ من شک فی کفرہ و عذابہٖ فقد کفر کے قائل ہیں کہ نہیں؟ اگر آپ کے اقوال اس حکم میں آتے ہیں تو علی الاعلان اپنے رسالہ 'منہاج القرآن' اور جن اخبارات ورسائل میں آپ نے اپنے انٹرویو دیے ہیں، ان میں بھی اپنا توبہ نامہ شائع کرائیے تاکہ عام اہل سنت کو اطمینان ہو- بصورت دیگر کوئی قابل قبول تاویل کہ جو حسام الحرمین کی روشنی میں درست ہو، شائع کیجیے- فقط والسلام

مولانا تقدس علی خان قادری رضوی
شیخ الحدیث جامعہ راشدیہ پیر گوٹھ (ضلع خیرپور)
سرپرست اعلیٰ: ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا، کراچی
مورخہ ۷/اکتوبر ۱۹۸۷ء

جواب مراسلہ

من جانب: پروفیسر ڈاکٹر طاہر القادری، سربراہ تحریک منہاج القرآن انٹرنیشنل، بنام مولانا تقدس علی خان قادری رضوی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محترم ومکرم حضرت مولانا مفتی تقدس علی خاں صاحب مدظلکم العالی!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

آپ کا گرامی نامہ موصول ہوا- آپ کی شخصیت تمام اہل علم کے لیے قابل قدر ہے اور میرے دل میں بھی آپ کی خصوصی قدر و منزلت ہے جس کی ایک وجہ آپ کی اس عاجز کے حق میں ہمیشہ شفقت اور دعا گوئی ہے- مگر اس سے بھی بڑھ کر آپ کا خانوادۂ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ خصوصی تعلق اور آپ رحمۃ اللہ علیہ سے خصوصی نسبت تلمذ ہے، جس کی بنا پر آپ کو یاد ہوگا کہ میں نے کراچی میں آپ کی عیادت کے دوران آپ سے یہ درخواست بھی کی تھی کہ میری یہ خواہش ہے کہ آپ نے چوں کہ بعض اسباق خود اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھے ہیں، اس لیے آپ کسی وقت لاہور ''جامعہ اسلامیہ منہاج القرآن'' میں تشریف لاکر انہی اسباق میں سے کچھ ہمارے طلبہ کو پڑھا دیں، تاکہ ہمارے جامعہ کے طلبہ کو آپ کے واسطے سے اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے نسبت تلمذ کی برکت حاصل ہوجائے- اس مقام ومنصب کے پیش نظر میں نے ضروری سمجھا کہ آپ کے استفسار پر جواب عرض کروں- ورنہ آپ کو معلوم ہی ہوگا کہ میری طرف غلط طور پر منسوب بعض اخبارات ورسائل کے بیانات کی بنا پر کئی اور لوگوں نے مختلف رسائل اور اخبارات میں جو کچھ لکھا ہے اور سراسر غلط اور بے بنیاد الزامات کی تشہیر کر کے ہمارے مشن کو نقصان پہنچانے کی کوشش کی ہے لیکن بحمد اللہ تعالیٰ میں نے نہ صرف یہ کہ ان کو جواب دینا بھی مناسب نہیں سمجھا، بلکہ اس طرف توجہ کرنا بھی وقت کا ضیاع تصور کرتے ہوئے ان کے ساتھ قالوا سلٰما کا طریقہ اپنایا ہے اور ہم اس طریق پر اس لیے مطمئن ہیں کہ اگر انسان صداقت، راستی اور حق کی راہ پر صدق دل سے چل رہا ہو تو پھر اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی توجہات ہمیشہ اس کے شامل حال رہتی ہیں اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ سچ اور جھوٹ کا امتیاز خود بخود ہوجاتا ہے اور بے بنیاد معاندانہ پروپیگنڈہ بغیر کسی جوابی کارروائی کے خود بخود دم توڑ جاتا ہے اور دوام ہمیشہ سچائی ہی کو نصیب ہوتا ہے-

آپ کے پہلے دونوں سوالات کا تعلق چونکہ ایک ہی کتاب ''فرقہ پرستی کا خاتمہ کیوں کر ممکن ہے؟'' سے ہے، اس ضمن میں یہ بات واضح کردینا ضروری سمجھتا ہوں کہ یہ کتاب میری مصنفہ نہیں ہے، بلکہ میرے خطبات کا مرتب شدہ مجموعہ ہے، جس کی ترتیب وتدوین جاوید القادری صاحب اور ضیاء اللہ نیر صاحب نے کی ہے- اس امر کی تصریح آپ اس کتاب کے کسی بھی نسخے کی شروع میں موجود پرنٹ لائن میں دیکھ سکتے ہیں- یہ بات بڑی بدیہی ہے کہ ہاتھ سے لکھی ہوئی تصنیف اور کسی دوسرے صاحب کی مرتب کردہ مجموعۂ خطبات میں بعض الفاظ یا عبارات کا چناؤ اور استعمال مختلف ہوسکتا ہے- باوجود اس کے اس کتاب کے بارے میں میں یہ عرض کرنے میں کوئی تامل محسوس نہیں کرتا کہ اس میں ایسی کوئی عبارت موجود نہیں ہے، جو شرعاً قابل گرفت ہو یا اس میں (معاذ اللہ) اہانت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پہلو نکلتا ہو- تاہم آپ کے حسب ایما آپ کے سوالات کا بالترتیب جواب حاضر خدمت ہے:

(۱) آپ کا پہلا سوال کتاب کے صفحہ پینسٹھ کی عبارت سے متعلق ہے، جس میں یہ کہا گیا ہے کہ ''بحمد اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے تمام مسالک اور مکاتب فکر میں عقائد کے بارے میں کوئی بنیادی اختلاف موجود نہیں، البتہ فروعی اختلافات ہیں ....''

مجھے تعجب ہے کہ اس عبارت کو گستاخی رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور اس کی تکفیر کے مسئلے سے کس طرح متعلق سمجھ لیا گیا ہے، جب کہ کتاب کی عبارت واضح اور بین طور پر یہ ہے کہ ''مسلمانوں کے تمام مسالک میں....'' الخ

مجھے اس عبارت پر اعتراض کرنے والے احباب کی یہ بات سمجھ میں نہیں آئی کہ انہوں نے گستاخان رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو مسلمانوں کے

مسالک میں کس طرح شامل کرلیا ہے- اگر کچھ لوگ کسی کو گستاخیِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے باوجود اسلامی مسلک کے ذیل میں تصور کرتے ہیں تو ان کا عقیدہ ان کے ساتھ- بحمد اللہ تعالیٰ میرا مسلک اور عقیدہ بڑا واضح ہے کہ گستاخِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اسلام سے خارج ہے اور کافر و مرتد ہے، بلکہ میں تو اس کی قبول توبہ کا بھی قائل نہیں ہوں، اس موضوع پر وفاقی شرعی عدالت پاکستان میں میرا چودہ گھنٹے کا مبسوط خطاب ریکارڈ پر موجود ہے اور پاکستان کے تمام اخبارات اس پر شاہد عادل ہیں، چنانچہ اسی طرح کچھ لوگ کسی اور ضرورتِ دینی کا انکار کرنے کے باعث بھی خارج از اسلام ہوسکتے ہیں- سو ایسے تمام طبقات کا ہماری عبارت سے کوئی تعلق نہیں- ہم صرف ان مسالک اور مکاتب فکر کی بات کررہے ہیں جو علی التحقیق مسلمان ہیں- اب یہ بات آپ بھی واضح طور پر سمجھتے ہیں کہ مسلمانوں کے اندر اختلاف کی نوعیت فروعی، تعبیری اور تشریحی ہے- بنیادی اور اصولی نہیں اور جن سے اختلاف اصولی نوعیت کا ہوگا، صاف ظاہر ہے وہ مسلمان نہیں ہوگا-

(۲) آپ کا دوسرا سوال صفحہ چھیاسی (صفحہ ۸۶) کی عبارت سے متعلق ہے- اس سے بھی کسی قسم کا مغالطہ پیدا نہیں ہونا چاہیے، کیونکہ یہ عبارت باب ''عدمِ اکراہ کا قرآنی فلسفہ'' کے تحت آئی ہے اور درج ذیل آیات کی تفصیل میں آئی ہے-

(۱) لا اکراہ فی الدین قدتبیّن الرشدمن الغی

(۲) قل الحق من ربکم فمن شاء فلیومن و من شاء فلیکفر

(۳) فما ارسلنک علیکم حفیظاً

اس باب میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت مبارکہ اور سیرت طیبہ کے حوالے سے یہ بات واضح کی گئی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کی حوصلہ افزائی اور امت کی فکری و عملی تربیت کے لیے بعض مواقع پر اپنی رائے کا اظہار فرماتے اور روح شورائیت اور دوسروں کی رائے کے احترام کا عملی نمونہ پیش کرتے ہوئے بعض اوقات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہ کی اکثریتی رائے کو قبول فرما لیتے اور اپنی ذاتی رائے پر عمل نہ فرماتے، جیسا کہ غزوۂ بدر اور بعض دیگر مقامات پر ہوا اور حدیث بریرہ رضی اللہ عنہا جو سنن ابی داؤد میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، سے بھی اسی طرح ثابت ہے جس کے مطابق انہیں اپنے سابقہ شوہر کے عقد زوجیت میں قائم رہنے کے لیے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جس پر اس صحابیہ نے عرض کیا ''یارسول اللہ! کیا یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہے؟ جس پر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں، میں صرف سفارش کررہا ہوں-''

الغرض ایسی مثالوں کے ذریعے اس مقام پر یہ واضح کیا گیا ہے کہ باری تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بے شک اپنی رائے، تعلیم، تلقین اور مرضی مبارکہ دوسروں تک صحیح طور پر پہنچانے کا حکم تو فرمایا ہے مگر اس بات کا مکلّف نہیں ٹھہرایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی رائے یا منشا مبارک دوسروں سے عملاً منوا کے چھوڑیں- یہی اس عبارت کا سیاق و سباق ہے، کیونکہ ایسی ذمہ داری فرائض نبوت میں شامل ہی نہیں-

تاہم ہم نے آٹھ نو ماہ پہلے یہ محسوس کرلیا تھا کہ بعض لوگ اس عبارت سے عوام میں غلط فہمیاں پیدا کررہے ہیں اور اسے سیاق و سباق سے ہٹا کر غلط مفہوم پہنا رہے ہیں- یہ مسئلہ چونکہ کسی اور سے متعلق نہیں تھا، بلکہ خود حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذاتِ اقدس سے متعلق ہے تو ہم نے یہ اسی وقت طے کرلیا تھا کہ تیسرے ایڈیشن میں اس عبارت کو تبدیل کردیا جائے تاکہ کوئی غلط فہمی پیدا نہ کی جاسکے اور ان شاء اللہ اگلے ایڈیشن میں ہر قسم کے مغالطے اور اس کے امکان کو تبدیلی عبارت سے ختم کردیا جائے گا- رہا اختیارِ مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم کا مسئلہ تو میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریعی اور تکوینی دونوں طرح کے اختیارات پر بحمد اللہ معترضین اور ناقدین سے زیادہ پختہ عقیدہ رکھتا ہوں اور اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہوں-

(۳) آپ کا تیسرا سوال رسالہ دید و شنید کے شمارہ اپریل ۱۹۸۶ء کے حوالے سے ہے- اس سلسلے میں یہ بات مختلف مواقع پر کئی احباب کو عرض کرچکا ہوں کہ اس رسالے نے منہاج القرآن کے مشن اور تحریک کو نقصان پہنچانے اور اس کے لاکھوں وابستگان کے دلوں میں شکوک و شبہات پیدا کرنے کے لیے میرے انٹرویو کو توڑ مروڑ کر چھاپا تھا اور اس طرح غیر ذمہ دارانہ صحافت کا ثبوت دیا تھا، جس کے باعث ہم نے یہ رسالے اپنے

مرکز پر فروخت کرنے کی اجازت نہیں دی- سو یہ بیان میرا ہرگز نہیں اور نہ ہی اس نوعیت کا اعتقاد رکھتا ہوں- اس کے برعکس میرا نقطۂ نظر ہمیشہ یہ رہا ہے کہ جو گستاخانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم یا گستاخان صحابہ رضی اللہ عنہ و اہل بیت رضی اللہ عنہ ہیں، ان کی صریح گمراہی و ضلالت کے باعث ان کے پیچھے نماز پڑھنے کا سوال ہی خارج از امکان ہے اور نہ میرا ایسا معمول ہے، بلکہ میرا مسلک یہ ہے کہ جو شخص مدینہ کے گلی کوچوں اور وہاں کی خاک کی بھی بے ادبی کرتا ہے تو اس طور پر بھی وہ اہانت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا مرتکب ہوتا ہے، میرے نزدیک تو وہ شخص بھی صاحبِ ایمان نہیں- چہ جائے کہ وہ براہِ راست بارگاہِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ و اہل بیت کا گستاخ ہو- نماز اور عبادت سب ادب الوہیت اور ادب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم ہی سے عبارت ہے- جب یہ نہ رہا تو نماز کیسی؟

(۴) چوتھا سوال بھی اسی رسالے کے انٹرویو سے متعلق ہے جس میں فرقہ واریت پر لعنت بھیجنے کی بات ہے، سو مجھے اس کے تسلیم کرنے میں کوئی تامل نہیں- میں اب بھی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں فرقہ واریت جو کہ امت مسلمہ کے شیرازۂ وحدت کو منتشر کرنے اور اسے تفرقہ و انتشار کی نذر کر کے باہم مسلمانوں کو دست و گریبان کرنے کی مفسدانہ کوششوں سے عبارت ہو، پر لعنت بھیجتا ہوں، اس پر اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی لعنت بھیجی ہے-

قرآن مجید نے اسے تفریق بین المؤمنین کا نام دے کر صریح منافقت اور اسلام دشمنی سے تعبیر کیا ہے- اس لیے میں فرقہ واریت کو اب بھی قابل ملامت سمجھتا ہوں- کیوں کہ یہ قرآن حکیم کے حکم "واعتصموا بحبل الله جميعاً ولا تفرّقوا" کے خلاف ہے-

یہاں یہ امر واضح کر دینا ضروری خیال کرتا ہوں کہ فرقہ واریت اور شے ہے اور مسلکی وابستگی اور شے- مسلمانوں کا مختلف مسالک اور فقہی مکاتب فکر سے وابستہ ہونا ہرگز فرقہ واریت نہیں کہلا سکتا اور نہ ہی میرے نزدیک مسلکی تشخصات کا برقرار رہنا فرقہ واریت ہے- ان سب چیزوں کی اپنی تاریخی دینی اور علمی اہمیت ہے- جہاں تک مسلک کا تعلق ہے بحمد اللہ تعالیٰ میرا اپنا مسلک بھی اہل سنت والجماعت ہے اور میں حنفی المذہب ہوں اور اس مسلک و مذہب کی نسبت پر بحمد اللہ تعالیٰ زندہ ہوں اور اسی پر اللہ کی بارگاہ میں موت کا طالب ہوں- صاف ظاہر ہے کہ فرقہ واریت کو قابل لعنت و ملامت فعل گردانئے سے مسلک کی اہمیت پر کوئی طعن نہیں آتی- رہ گیا یہ پہلو کہ میں کسی فرقے کا نہیں، بلکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کا نمائندہ ہوں- بحمد اللہ تعالیٰ میں اس قول پر اب بھی قائم ہوں اور مجھے اس میں کوئی تامل نہیں، اس لیے کہ مسلک اہل سنت والجماعت ہرگز فرقہ نہیں ہے- یہ تو امت مسلمہ کا سوادِ اعظم ہے- فرقہ اس گروہ کو کہتے ہیں جو سوادِ اعظم سے خارج ہو گیا ہو- جو شخص سوادِ اعظم کے مسلک پر ہے وہ کیوں کر یہ کہہ سکتا ہے کہ میرا تعلق کسی فرقے سے ہے- کیوں کہ سوادِ اعظم کسی فرقے کی نمائندگی کا نہیں، بلکہ امت مسلمہ کی نمائندگی کا نام ہے-

(۵) آپ کا پانچواں سوال نماز میں ہاتھ باندھنے یا چھوڑنے اور اقتدا فی الصلوٰۃ سے متعلق ہے، اس کا تعلق بھی اسی انٹرویو سے ہے- یہاں بھی میری گفتگو کو سیاق و سباق اور پس منظر سے ہٹا کر بعض احباب نے ارادتاً مغالطہ پیدا کرنے کی کوشش کی ہے- جہاں میں نے ایک سوال کے جواب میں فقط یہ بات سمجھائی تھی کہ اہل سنت کے مذاہب اربعہ میں سے اس وقت مذہب مالکی کے علمائے متاخرین ہاتھ چھوڑ کر نماز پڑھتے ہیں، مگر وہ بدستور اہل سنت والجماعت ہیں تو سائل نے یہ سوال کیا تھا کہ اگر کوئی شخص ہاتھ چھوڑ کر نماز پڑھ رہا ہو تو ہاتھ باندھ کر پڑھنے والے کی نماز اس کے پیچھے ہو جائے گی کہ نہیں؟ جس کا جواب بڑا واضح ہے کہ اگر امام مالکی المذہب ہے اور مقتدی حنفی، شافعی یا حنبلی المذاہب ہو تو بلا شبہ سب اہل سنت والجماعت ہی ہیں تو اس حال میں بے شک امام نے ارسال الیدین کیا ہے، مگر مقتدیوں کی نماز یقیناً ہو جائے گی- کیوں کہ ان کی اقتدا میں کوئی فرق نہیں آتا- میں نہیں سمجھتا کہ اگر اخلاص کے ساتھ ان چیزوں کو سمجھنے کی کوشش کی جاتی تو کسی شخص کے لیے بھی ان مسائل میں الجھاؤ کے لیے کوئی گنجائش باقی تھی-

(۶) آپ کا چھٹا سوال 'نوائے وقت' کے انٹرویو سے متعلق ہے، جس میں اپنے سیاق و سباق اور پس منظر و پیش منظر سے بالکل کاٹ کر محض مغالطے کے لیے بعض احباب نے اس جملے "میں حنفیت یا مسلک اہل سنت کی بالاتری کے لیے کام نہیں کر رہا" کو غلط رنگ میں اچھالنے کی کوشش کی ہے- افسوس کہ اخبار نے تو انٹرویو پوری عبارت کے ساتھ شائع کیا تھا، مگر مخصوص عزائم رکھنے والے بعض رسائل کے مدیروں کی نظر صرف اسی جملے پر

پڑی اور انہوں نے خدا خوفی اور اللہ کی بارگاہ میں جواب دہی سے خود کو بالکل مستثنیٰ تصور کرتے ہوئے حسب معمول پروپیگنڈہ شروع کر دیا- اللہ تعالیٰ انہیں معاف فرمائے اور ہدایت فرمائے-

اس جملے کا پس منظر یہ ہے کہ انٹرویو لینے والے اخباری نمائندے نے مجھ سے پوچھا کہ آپ مسلکاً اہل سنت والجماعت کہلاتے ہیں اور مذہباً حنفی ہونے کا اقرار بھی کرتے ہیں، مگر ساتھ ہی آپ کہتے ہیں کہ منہاج القرآن کی تحریک، عالم گیر تحریک ہے، اور اس مشن کی دعوت پوری امت مسلمہ کے لیے ہے تو کیا آپ کا سنی اور حنفی ہونا آپ کی تحریک کی عالم گیریت کو متاثر نہیں کرے گا؟ اور اسے محدود نہیں کر دے گا؟ اس کے جواب میں میں نے کہا تھا کہ ہر گز نہیں، اس لیے کہ میں حنفی المذہب ہوں تو یہ میرا اپنا فقہی مذہب ہے اور میں اہل سنت والجماعت ہوں تو یہ میرا اپنا مسلک ہے- مگر جہاں تک منہاج القرآن کی دعوت اور تحریک کا تعلق ہے، یہ مشرق سے مغرب تک عالم اسلام بلکہ عالم کفر کی سرزمین تک بھی دعوتِ دین کو پھیلانے سے عبارت ہے، چونکہ ہماری دعوت اور تحریک کا دائرۂ کار محض اپنے ہی ہم مسلک اور ہم مکتب لوگوں تک محدود نہیں ہے، بلکہ دنیائے اسلام تک بالخصوص اور دنیائے انسانیت تک بالعموم پھیلا ہوا ہے، لہٰذا ہمارا کام دعوت تک محدود اور مشن بین الاقوامی سطح پر اسلام کی بالاتری اور دین حق کی عظمت و فوقیت کے لیے ہے- اس لیے کہ جب میں کسی کافر، یہودی، عیسائی وغیرہ کے سامنے اپنے مشن کی طرف سے دعوت پیش کرتا ہوں تو صاف ظاہر ہے کہ اسے قبول اسلام کی ہی دعوت دی جا سکتی ہے- باقی معاملات اس کے بعد آتے ہیں- اگر ہماری تحریک کا مقصد دنیا میں حنفیت کی بالاتری قائم کرنا ہوتا تو صاف ظاہر ہے کہ مالکی، شافعی، حنبلی اور دیگر فقہی مذاہب سے تعلق رکھنے والے مسلمانوں کو منہاج القرآن کی دعوت سے کوئی دلچسپی پیدا نہیں ہوگی- حنفیت، شافعیت اور دیگر فقہی مذاہب چونکہ دین اسلام کا جز ہیں اور اسلام ان سب کا کل ہے تو جو دعوت کلیت پر مبنی ہو وہ اندر کے تمام اجزا کے لیے قابل قبول ہوتی ہے اور اگر صرف ایک جز پر مبنی ہو تو باقی اجزا اس سے متخاصم ہو سکتے ہیں-

یہ تھا مقصد و مدعا اس بات کا، اس میں نہ حنفیت کا انکار کسی طور پر ثابت ہوتا ہے اور نہ ہی مسلک اہل سنت والجماعت کی نفی- بلکہ یہ تو بیان ہی سارا حنفیت اور مسلک اہل سنت والجماعت پر قائم ہونے کے جواز کی حکمت پر مبنی ہے اور اس سے یہ واضح کرنا مقصود ہے کہ اس وارفتگی سے ہمارے مشن کی وسعت اور عالم گیریت میں کوئی فرق نہیں آتا ....''

آخر میں آپ نے گستاخی رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر تکفیر کے بارے میں استفسار فرمایا ہے اور یہ دریافت کیا ہے کہ میں **من شک فی کفرہ وعذابہ فقد کفر** کا قائل ہوں یا نہیں؟

گزارش ہے کہ بحمد اللہ تعالیٰ میں اس کا سو بار قائل ہوں اور اسی مسئلے پر جیسا کہ میں نے پہلے عرض کیا، میرا وفاقی شرعی عدالت میں ہونے والا چودہ گھنٹے کا خطاب شاہد عادل ہے اور کوئی انتہائی کمزور کان رکھنے والا شخص بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گستاخ کے کفر میں شک نہیں کر سکتا اور جس کو اس میں شک ہو وہ ہر گز صاحب ایمان نہیں ہو سکتا-

حضرت محترم! آپ کے استفسارات کے جواب میں میں نے جو اس قدر مفصل خط تحریر کیا ہے اس کی وجہ صرف آپ کا دینی اور علمی مقام اور میرے اپنے دل و نگاہ میں آپ کے لیے آں حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے نسبت کے باعث قدر و منزلت ہے ورنہ اس قسم کے دو چار خطوط مسلک کے بعض نام نہاد علمبرداروں نے پہلے بھی لکھے ہیں- مزید برآں مختلف شہروں سے چھپنے والے اکا دکا رسالوں اور بعض افراد نے ہر چند کہ گذشتہ کئی ماہ سے ایسا مفسدانہ اور معاندانہ پروپیگنڈہ شروع کر رکھا ہے، لیکن بحمد اللہ تعالیٰ ہم نے ان کی ایسی منفی اور غیر صالح کاوشوں پر کبھی کان تک نہیں دھرا اور نہ ہی ہم ان چیزوں کو اللہ تعالیٰ کی رحمت کے باعث کبھی خاطر میں لاتے ہیں، اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ ہمارا ظاہر و باطن، نیت و ارادہ، عقیدہ و مسلک اور مشن و دعوت سب کچھ اللہ رب العزت اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے فضل و کرم سے چونکہ صحیح اور صالح ہے اور ہم ہر لحظہ اپنی بقا اور اپنی مساعی کو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نعلین پاک کا تصدق کہتے ہیں اور اولیائے کرام اور بزرگانِ دین کی روحانی توجہات و فیوضات کو ہمہ وقت اپنے شامل حال کہتے ہیں اور بحمد اللہ تعالیٰ ایسا ہی ہے- ورنہ تین چار سال کے عرصے میں ہمارے لیے قطعاً یہ ممکن نہیں تھا کہ کسی قسم کی حکومتی، تنظیمی یا جماعتی معاونت اور سرپرستی کے بغیر مشن بے سرو سامانی کے عالم میں شروع ہو کر کرۂ ارض کے گوشے گوشے تک پہنچ سکے- منہاج القرآن کی

چار سالہ تحریک کے نتیجے میں جس طرح اس دعوت کو پاکستان میں کراچی سے لنڈی کوتل تک ہر ہر صوبے اور ہر ہر گوشے اور پھر پاکستان سے باہر عرب وعجم، مشرق قریب، مشرق بعید، مشرق وسطیٰ، یورپ، امریکہ اور افریقہ کے صحراؤں اور زمین کی خشکی کی آخری سرحدوں تک قبول عام نصیب ہوا یہ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم اور اس کی نصرت وتوفیق کا مرہون منت ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصی شفقت وعنایت اور رحمت وبرکت کا آئینہ دار اور حضور سیدنا غوث الاعظم رضی اللہ عنہ کے فیوضات وتوجہات اور دیگر اولیائے کاملین کی روحانی برکات کا عکاس ہے ورنہ اس کے بغیر ہم ایک تنکے اور ذرے سے بھی کمتر تھے اور اپنے اندر کوئی ہمت، صلاحیت اور طاقت نہیں رکھتے تھے کہ اس کا بیڑہ اٹھا سکیں۔ ہم نے بحمد اللہ تعالیٰ یہ بھی محسوس کیا ہے اور اس بات پر پختہ یقین رکھتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا فضل شامل حال رہے اور ان میں کوئی سیل اور خرابی نہ آئے تو ہزاروں مزاحمتوں، سازشوں اور الزام تراشیوں کے طوفان بھی کھڑے کر دیئے جائیں تو بفضلہ تعالیٰ کسی کا بال بھی بیکا نہیں ہو سکتا۔ اگر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نعلین پاک کا سایہ ہمارے سروں پر قائم رہا تو مخالفت کے طوفان میں بھی ان شاء اللہ ہمارے مشن کا کچھ نہیں بگڑ سکتا۔ ہم ان چیزوں کی حقیقت سے بخوبی آگاہ ہیں۔ اس لیے نہ تو ہمیں کبھی کسی کی منفی اور تخریبی کارروائیوں پر پریشانی ہوئی اور نہ ہمیں بحمد اللہ تعالیٰ کبھی کسی جوابی اقدام کی ضرورت محسوس ہوئی ہے۔ ہمیں اللہ کے فضل سے اپنے مسلک، مذہب اور نسبت کا ایمانی، وجدانی اور ایقانی سطح پر پورا ادراک واعتماد ہے۔ اس لیے ہم کسی سے اپنی سنیت اور مسلمانی کا سرٹیفکیٹ لینے کی ضرورت محسوس نہیں کرتے۔ منہاج القرآن کی تحریک سے عشق وادب رسول صلی اللہ علیہ وسلم، تعظیم وتکریم رسالت مآب اور اتباع صحابہ واہل بیت کے جو جذبات لاکھوں افراد میں موجزن ہو چکے ہیں اور عشق رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت سے لاکھوں سینوں میں ایمان کی شمعیں روشن ہو رہی ہیں، ان شاء اللہ ان کی روشنی مخالفانہ ظلمتوں کا قلع قمع کر دے گی۔ افسوس ہے کہ میری ۶۵-۷۰ کے قریب تصانیف اور ہزار کے لگ بھگ خطبات کے ریکارڈ شدہ کیسٹس موجود ہیں جن سے میرے عقائد وخیالات اور نظریات کا ایک ایک گوشہ تفصیلاً آشکار ہے۔ بجائے اپنی رائے کا مدار ان پر کرنے کے سارا انحصار اخباری بیانات اور رسالوں کے انٹرویوز پر کیا جاتا ہے جن کی دیانت دارانہ صحافت ہر ذی علم وذی شعور کے سامنے بخوبی آشکار ہے اور پھر ان بیانات کو بھی سیاق وسباق سے ہٹا کر خاص زاویۂ نظر سے جانچا جاتا ہے۔ آپ ہی فرمائیں، اس طرزِ عمل کو کیا نام دیا جائے۔

آخر میں میں صمیم قلب سے شکریہ ادا کرتا ہوں کہ آپ نے اپنے مقام ومنصب کو ملحوظ رکھتے ہوئے ازراہِ شفقت بجائے غلط فہمیوں پر اعتماد کرنے کے مجھ سے براہ راست استفسار فرمایا ہے۔ یہ آپ کا حق تھا اور آپ کی بزرگی کے پیش نظر میرا فرض تھا کہ میں آپ کے اطمینان کے لیے یہ تفصیلی معروضات پیش کروں۔ میں امید اور استدعا کرتا ہوں کہ آپ اس عاجز کو ہمیشہ اپنی دعاؤں میں یاد رکھیں گے اور حقیر کو حسب سابق اپنی شفقتوں سے نوازتے رہیں گے۔

والسلام

خاکپائے علما

محمد طاہر القادری

مورخہ ۱۹؍اکتوبر ۱۹۸۷ء

□□□